بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

پچھلے دنوں مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں پر جو آفت آئی تھی اس کے نتیجہ میں نا برٹ نور ایک لاکھ ۲۵ ہزار مسلمان انتہائی تباہ حالت میں آزاد کشمیر کی طرف ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ ان مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کے لیے جماعت اسلامی نے عوام الناس سے امداد کی اپیل کی، اور جو امداد اس کو عوام سے ملی اس کے ذریعہ سے جماعت کے کارکنوں نے کام شروع کر دیا۔ اس موقع پر یہ ہمارا فرض ہے کہ جن لوگوں نے اس کارِ خیر میں ہمارا ہاتھ بٹایا تھا ان کو یہ بتا دیں کہ جو ذرائع و وسائل انہوں نے ہم کو فراہم کیے تھے ان سے کیا کام کیا گیا ہے۔ یہاں ان خدمات کا ذکر کسی جذبۂ نمائش و افتخار کی بنا پر نہیں بلکہ اسی احساس ذمہ داری و جواب دہی کی بنا پر کیا جا رہا ہے۔ یہ حقیر سی سعی جو ہم نے اپنے ستم زدہ اور آفت رسیدہ بھائیوں کی خدمت کے لیے کی ہے اسے ہم اپنا کوئی کمال نہیں سمجھتے۔ یہ محض باری تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے ہم جیسے گنہگار اور عاجز بندوں کو اس نیک کام کی توفیق دی اور لوگوں کے دلوں میں ہمارے متعلق وہ حسنِ ظن پیدا کیا جس کی بنا پر انہوں نے ہم پر غیر معمولی اعتماد کرتے ہوئے روپے پیسے، دواؤں اور ہر قسم کے سامان سے ہماری مدد فرمائی۔ اگر خدا کا خصوصی فضل ہمارے شاملِ حال نہ ہوتا اور عوام پوری فراخدلی اور جذبۂ ایثار کے ساتھ اس کام میں ہماری معاونت نہ کرتے تو ہم اسے کبھی بھی سرانجام نہ دے سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایات کے لیے ہم اُس بزرگ و برتر ذات کے حضور میں سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں اور اُس قادرِ مطلق کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس حقیر سی خدمت کو قبول فرمائے۔ ہماری کوتاہیوں، لغزشوں سے درگزر کرے اور آخرت کے دن ہمیں اپنے

مطیع اور فرمانبردار بندوں کی صف میں اٹھائے۔ جن حضرات نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے اُن کے لیے بھی ہم اپنے دل کی گہرائیوں سے مالک الملک کے حضور میں دُعا گو ہیں۔ انہوں نے اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے لیے جس ایثار سے کام لیا ہے اور ہمارے ساتھ جس اخلاص و اعتماد کا ثبوت دیا ہے اللہ اُس کے لیے انہیں اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ اَنْتَ وَلِيُّنَا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔

ہندوؤں کی روایتی تنگ نظری اور تعصب نے یُوں تو ہندوستان کی ساری اقلیتوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک وہ کر رہے ہیں اُس کی انسانوں سے کبھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ خاص طور پر مقبوضہ کشمیر کے بے بس مسلمان جنہیں اَمن کے پُجاریوں اور اہنسا کے علمبرداروں نے اخلاق، دیانت، شرافت اور عدل کے سارے تقاضوں کو پسِ پُشت ڈال کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے، کئی سال سے ان کے ظلم و ستم کے ہدف بنے ہوئے ہیں۔ بھارت کی حکومت ہر وہ ممکن تدبیر اختیار کرتی رہی ہے جس سے انہیں غلامی پر رضامند کیا جا سکے۔ لیکن اُن کی فطرت نے سارے دکھ سہنے کے باوجود اپنی آزادی کی رُوح کو دبنے نہیں دیا۔ انہوں نے اپنے اس پیدائشی حق کے حصول کے لیے عدل و انصاف کے سب سے بڑے ادارے اقوامِ متحدہ کے دروازے پر دستک دی، آزاد قوموں کے ضمیر سے اپیل کی، لیکن مادیت کے اِس دَور میں جبکہ دنیوی مصالح ہر چیز پر غالب ہیں، ان بے بسوں کی کہیں بھی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنی آزادی کے حصول کے لیے از خود جدوجہد شروع کرنے کا عزم کر لیا۔

ان کی طرف سے اس اقدام کا آغاز ہوتے ہی بھارت کی درندگی و بہیمیت پُوری طرح بدمست

ہو کر گذشتہ اگست میں اُن پر ٹوٹ پڑی اور انہیں ایسے خوفناک مظالم کا تختۂ مشق بنایا جن کو اگر درندوں کی طرف بھی منسوب کیا جائے تو وہ بھی شدید احتجاج کے ساتھ اپنی برأت کا اظہار کریں۔ امیر جماعت اسلامی نے جب اپنے رفقاء کے ساتھ آزاد کشمیر کا دَورہ کیا اور مقبوضہ کشمیر سے آنے والے مہاجرین کی زبان سے اُن پر ڈھائے گئے مظالم کی داستانیں سُنیں تو فرمایا کہ یقین نہیں آتا کہ جن لوگوں نے انسانوں پر یہ مظالم کیے وہ انسان تھے۔ ایک شخص نے انہیں بتایا کہ اُن کے سامنے بارہ مسلمانوں کی آنکھیں نکالی گئیں، زندہ آدمیوں کو سر سے لیکر پاؤں تک چیر ڈالا گیا، لوگوں کو گھروں میں بند کر کے آگ لگا دی گئی۔ ایک مہاجر ذیلدار نے جو اپنے علاقے کا معزز آدمی تھا بتایا کہ جالیاں نامی گاؤں کے لوگوں کو پولیس تسلی دے کر اپنے ساتھ لے گئی اور پھر ان سب پر مٹی کا تیل چھڑک کر انہیں آگ لگا دی گئی۔ تحصیل سوپور کے گاؤں بنکوٹ کے عالم محمد امین کو بال بچوں سمیت زندہ جلا دیا گیا۔ نگینہ کے ہدایت اللہ سے جبراً لکڑیاں جمع کرائی گئیں اور پھر اُسی کے جمع کیے ہوئے ڈھیر پر بٹھا کر اُسے زندہ جلا دیا گیا۔ چار آدمیوں کو ان کی پیشاب کی نالیوں میں گرم سلاخیں ڈال کر ہلاک کیا گیا۔ بکثرت عورتیں آزاد کشمیر کے ہسپتالوں میں موجود ہیں جن کے پستان دانتوں سے کاٹے گئے تھے۔ تحصیل کپواڑہ کے موضع کاشی کے عالم دین کو قتل کر دیا گیا اور ان کی چار لڑکیوں کو اغوا کیا گیا جن میں سے دو اُسی روز مُردہ پائی گئیں اور دو ہسپتال میں اس حالت میں پہنچیں کہ خون جاری تھا۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق صرف سرینگر سے دو ہزار سے زائد لڑکیاں اغوا کی گئیں۔

یہ دردناک واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی تفصیل بیان نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ اس قدر ناقابلِ تردید ہیں کہ ان کی تصدیق غیر ملکی اخبار نویسوں نے بھی بڑے واشگاف الفاظ میں کی ہے۔

ہندوستان کا یہ سارا شرمناک کھیل کوئی غیر متوقع نہ تھا۔ جس دن مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی نے زور پکڑا اور اس کی خبریں اخبارات میں آنی شروع ہوئیں، اسی دن یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا

کہ مقبوضہ کشمیر میں بھی کچھ پیش آنے والا ہے۔ بھارت کی متعصبانہ ذہنیت اور اس کے سفاکانہ عزائم کے پیش نظر آنے والے مصائب کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہ تھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اسی بنا پر اگست ہی میں قوم سے مہاجرین کی معاونت کے لیے اپیل کر دی تھی۔ اللہ نے بروقت مدد فرمائی اور اس اپیل کا توقع سے بڑھ کر اثر ہوا۔ لوگوں نے جماعت اسلامی کو روپے، کپڑے، دوائیں، بستر اور برتن فراہم کرنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی مدت نہ گزری تھی کہ مقبوضہ کشمیر سے مظلوم مہاجرین کے لٹے ہوئے قافلے آزاد کشمیر کی طرف انتہائی تباہ حالت میں آنے لگے۔ ان میں سے شاید ہی کوئی گھر یا خاندان ایسا تھا جو ہندو غنڈوں کے مظالم کا نشانہ بنا ہو۔ ان میں سے کثیر تعداد ایسے ستم زدوں کی تھی جن کی عزت و آبرو پر بڑے شرمناک حملے ہو چکے تھے، جن کی بہو، بیٹیاں غائب تھیں، جن کے نوجوانوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے عبرتناک عذاب دے دے کر شہید کیا گیا تھا، جو اپنے معصوم بچوں کا قتل اپنے سامنے دیکھ چکے تھے۔ جنہوں نے خود اپنی آنکھوں سے اپنی بستیوں اور گھروں کو جلتے دیکھا تھا۔ یہ لوگ کئی دن بھوکے پیاسے رہ کر سفاک اور کمینے دشمن کے تعاقب سے بچ بچا کر اور مسلسل خوف اور ہراس کی حالت میں طویل مسافت کی صعوبتیں سہہ کر، بڑی بے سروسامانی کے عالم میں آزاد کشمیر کے اندر داخل ہوئے۔ جن لوگوں نے ان بیچاروں کی وہ حالتِ زار دیکھی ہے وہی ان کی بے بسی اور مظلومیت کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کے جسم زخموں سے چور تھے، مسلسل چلنے کی وجہ سے ان کے پاؤں سوج رہے تھے، پیہم فاقوں نے انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن کے پاس تن ڈھانکنے کے لیے کوئی کپڑا نہ تھا بلکہ عورتیں اپنے ستر تک چھپانے کے لیے اپنے پاس کوئی لباس نہ رکھتی تھیں۔ ان صبر آزما حالات میں گزرنے کی وجہ سے یہ لوگ کئی قسم کے ذہنی اور جسمانی عوارض میں مبتلا تھے۔ غم انسان کو ضرورت سے زیادہ حساس بنا دیتا ہے اور اس کی قوتِ برداشت کو مفلوج کر دیتا ہے۔ اس سے انسان کے اندر چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ذرا ذرا سی بات سے برہم

ہو کر آپے سے باہر ہونے لگتا ہے غم زدہ انسان کے احساسات خاص طور پر اُس شخص یا گروہ کے بارے میں غیر معمولی حد تک نازک ہوتے ہیں جسے وہ اپنے غم میں شریک دیکھنا چاہتا ہے اور جسکی طرف اپنی محرومیوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے وہ دستگیری کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے۔

جماعت اسلامی کے کارکنوں نے مقبوضہ کشمیر کے مہاجرین کی حالتِ زار کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان کی نفسیات اور ان کے مسائل کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے وسط اگست میں اپنے کام کا آغاز کیا اور ستمبر میں اس کے کارکنوں نے کئی کیمپوں میں باقاعدہ مختلف خدمات سرانجام دینی شروع کردیں۔ مہاجرین کے قافلے مسلسل آتے رہے اور ۳۱ جنوری ۱۹۶۶ء تک ۱۲۴۸۵۷ افراد نے قریب قریب بارہ کیمپوں میں پناہ لی۔ ان کیمپوں میں باغ، ریڑا، ہجیرہ، تراڑکھیل، میرپور، کوٹلی، کھوئی رٹہ، نکیال، پلندری اور مظفرآباد کے کیمپ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کیمپوں میں ۲۵ ستمبر سے لے کر ۲۸ فروری تک مہاجرین کو بنیادی ضروریات کی جو مختلف اشیاء فراہم کی جاتی رہیں ان کی کچھ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

قرآن حکیم	۱۶۴۹
لحاف	۱۰,۳۲۵
توشکیں	۴,۹۶۴
دریاں اور کھیس	۷,۹۵۴
کمبل	۱۲۰۲
کپڑے زنانہ و مردانہ	۲,۰۸,۱۵۶
بچوں کے لیے کپڑے	۲۲۷۷۹
کوٹ	۱۶۵۸۳
جرسیاں	۵۷۹۸

جوتوں کے جوڑے	۸۷۰۳
برتن	۴۱۷۴۸
نیا کپڑا	۹۶۷۴ گز
بُرقعے	۷۹
لالٹینیں	۱۶۴
گرائپ واٹر	۲۸۰ بوتلیں
بسکٹ	۱۰۰ پیکٹ
تیل سرسوں	۲ من ۳۰ سیر
گندم، چاول	۲۷۲۱ من ۱۵ سیر
دیگر اشیاء	۲۰۹۵۰

یہ اور اسی طرح کی دوسری اشیاء ایک بندھے منصوبے اور پوری احساس ذمہ داری کے ساتھ مہاجرین میں اُن کی ضروریات کے مطابق تقسیم ہوتی رہیں تا آنکہ ۱۲ جنوری تک شاید ہی کوئی ایسا مہاجر باقی رہ گیا تھا جسے اس کی ضرورت کی کوئی نہ کوئی چیز فراہم نہ کر دی گئی ہو۔

اس کام کے دوران میں یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی گئی کہ شہداء کے ورثاء بڑے دکھی ہیں اور خصوصی اعانت کے مستحق ہیں۔ اس لیے انہیں راولپنڈی اور باغ میں خاص اہتمام کے تحت سامان دیا گیا۔ پھر جو لوگ اپنی بچیوں کے نکاح کے لیے فکرمند تھے مگر وسائل نہ ہونے کی وجہ اس فریضہ کو ادا کرنے میں متامل نظر آتے تھے انہیں مناسب سامانِ جہیز مہیا کرنے کی کوشش کی گئی اور اس طرح کئی بچیاں گھروں میں آباد ہو گئیں۔ جن یتیم بچوں اور بچیوں، بیوگان اور طلبا کو مالی امداد کی ضرورت محسوس ہوئی انہیں یہ امداد پوری فراخدلی سے بہم پہنچائی گئی۔ اور جو طلبا اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کے خواہشمند نظر

آ ئے انہیں نصاب کی کتب مہیا کی گئیں۔ جب کبھی مہاجرین کو کیمپوں میں کسی قسم کی کوئی دُشواری اور دقت محسوس ہوئی، اسے حتی الامکان اپنے وسائل سے دُور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اگر اس کا ازالہ سرکاری افسروں کے تعاون کے بغیر ممکن نہ ہُوا تو انہیں اس کی طرف توجہ دلائی گئی۔ یہ سخت ناانصافی ہوگی اگر ہم حکومت آزاد کشمیر کے ملازمین کے احساسِ ذمہ داری کی داد نہ دیں۔ انہوں نے مہاجرین کی خدمت میں جس دلسوزی اور ہمدردی کا ثبوت دیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابلِ تحسین ہے اور جماعت خاص طور پر اس لیے ان کی شکر گزار ہے کہ اُن کے جذبۂ تعاون کی بدولت ہمارے کارکن مختلف کیمپوں میں پوری یکسوئی اور طمانیتِ خاطر کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

مہاجرین کو ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی نے جس دوسرے کام کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی وہ اُن کی صحت کی حفاظت تھی۔ بدحال اور مضمحل لوگ یُوں بھی ہر وقت بیماریوں کی زد میں رہتے ہیں، لیکن جب اسی قسم کے بے کس افراد کے ہجوم مختلف مقامات پر جمع ہو جائیں تو اُن کے اندر اکثر اوقات خطرناک قسم کی وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ چنانچہ جماعت اسلامی نے اس ضروری کام کے لیے ضلع میرپور میں چار مقامات پر (میرپور، نکیال، کھوئی رٹہ، اور کوٹلی) اور ضلع پونچھ میں رہڑہ، باغ، ہجیرہ اور ترارکھیل میں متعدد شفاخانے قائم کیے۔ ان شفاخانوں میں سے بیشتر نے وسط نومبر سے اپنے کام کا آغاز کیا اور چند مہینے مسلسل ضرورتمند لوگوں کو طبّی امداد بہم پہنچانے کے بعد اب مئی کے آخر میں اس کام کو ختم کیا ہے۔ ان آٹھ عمومی شفاخانوں کے علاوہ ایک مقام پر دانتوں کے امراض کے لیے ایک الگ ڈسپنسری بھی قائم کی گئی تاکہ جس شخص کو اس معاملے میں کسی ماہرِ فن کی خدمت درکار ہو وہ اس کی طرف رجوع کر سکے۔ ان شفاخانوں سے مجموعی طور پر اس مدت میں دو لاکھ تین ہزار، تین سو چھ (۲۰۳۳۰۶) مریضوں نے استفادہ کیا ہے۔

صحت کے ان مراکز میں اگرچہ زیادہ تر توجہ مریضوں کو طبّی امداد پہنچانے پر مرکوز کی گئی تھی لیکن اس خدمت کے ساتھ ساتھ ان میں مہاجرین کی دیگر مشکلات کو بھی حتی الوسع دُور کرنے کی کوشش کی گئی اور جماعت کے کارکنوں نے ان مراکز سے ضرورت مندوں اور محتاجوں کو اشیائے ضرورت بہم پہنچانے کا بھی انتظام کیا۔ مہاجرین کے اندر جو سامان تقسیم ہوا ہے اس کا پچیس فیصد ان ڈسپنسریوں کی وساطت سے اُن تک پہنچایا گیا ہے۔ جماعت کے کارکنوں نے اس پُورے کام کو کرتے وقت ایک چیز کو ہمیشہ نگاہ میں رکھا ہے کہ اپنے سارے وسائل اور اپنی پُوری قوتوں کو ان دُکھی افراد کی خدمت اور دستگیری میں صرف کیا جائے اور ضابطے کی پابندیوں کو اس راہ میں کم سے کم حائل ہونے دیا جائے۔ اگر کسی مریض نے طبی امداد کے لیے شفاخانے کا رُخ کیا اور کارکنوں نے دیکھا کہ وہ ضروریاتِ زندگی سے بھی محروم ہے تو انہوں نے اُس کے علاج کی فکر کرنے کے ساتھ ساتھ اُسے اشیائے ضرورت بھی بہم پہنچانے کی کوشش کی اور جہاں کسی کو مالی امداد کا مستحق سمجھا گیا وہاں روپے سے بھی اُس کی امداد کی گئی۔

ہمارے کارکنوں نے اشیاء اور ادویہ تقسیم کرتے وقت اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا کہ یہ چیزیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں مستحقین تک پہنچیں اور اس معاملے میں کافی تلاش و جستجو سے کام لیا گیا۔ لیکن ایک چیز کا ہمیشہ خیال رکھا گیا کہ اس چھان بین میں کسی ضرورتمند کی عزتِ نفس قصداً مجروح نہ ہونے پائے۔ جماعت کے کارکنوں کی عام پالیسی یہ تھی کہ جس فرد نے بھی اپنی کسی احتیاج کا اظہار کیا اُسے کسی نہ کسی طرح پُورا کرنے کی کوشش کی گئی اور ممکن حد تک اس امر کا التزام کیا گیا کہ اُس کے اندر کسی طرح محرومی کا احساس نہ پیدا ہو کیونکہ اس احساس کے اُبھرنے سے بہت سی اخلاقی اور نفسیاتی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ احساس لاشعور میں پہنچ کر انسان کی قوتِ ارادی پر کاری ضرب لگاتا ہے اور اس کے حوصلوں اور عزائم کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔ پھر اس سے انسان ایک تو اپنے آپ پر اعتماد کھو دیتا ہے اور دوسرے وہ باہر کی ساری دنیا کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے۔

اُس کا کسی فرد یا گروہ پر اعتماد باقی نہیں رہتا۔ اُس کے اندر چڑ اور ضد اور قنوطیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ معمولی معمولی بات پر لوگوں سے اُلجھنے لگتا ہے اور ہر اچھے سے اچھے کام کی راہ میں حائل ہونا اور اُس کی اہمیت اور وزن کو کم کرنا اور اُس میں خواہ مخواہ کیڑے نکالنا اپنی زندگی کا مشن بنا لیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے ہمارے کارکنوں کو اتنی فراست اور حوصلہ دیا کہ انہوں نے مفلوک الحال مہاجرین کو، جن میں اس مرض کے پھیلنے کے ہر قدم پر مواقع موجود تھے، اس روگ سے بچانے کی کامیاب کوشش کی اور کسی ایک شخص کے اندر بھی اسے راہ پانے کا موقع نہ دیا۔ جماعت کے کارکنوں نے مختلف کیمپوں میں کئی ماہ تک کام کیا ہے لیکن باری تعالیٰ کا فضل ہے کہ کسی ایک فرد کی طرف سے بھی کسی ناانصافی، زیادتی یا غیر ہمدردانہ سلوک کی شکایت سننے میں نہیں آئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاجرین کے حوصلے شروع سے لے کر آخر تک ملند رہے، اُن کے پائے استقلال میں کسی مرحلہ پر بھی کوئی لغزش نہ پیدا ہونے پائی اور جن اچھی توقعات کے ساتھ انہوں نے آزاد کشمیر میں پناہ لی تھی وہ جوں کی توں قائم رہیں۔ خون کے پیاسے ظالم و غاصب دشمنوں اور جاں نثار مخلص بھائیوں کے طرز فکر اور طرز عمل میں جو بنیادی اور عظیم فرق ہوتا ہے اُس کا انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور ہمیں یقین ہے کہ یہ چیز کشمیر کی تحریکِ آزادی کے لیے انشاءاللہ بڑی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔ اگر خدانخواستہ ان مہاجرین کو اِس پناہ گاہ میں ہمدردی و محبت کا سلوک نہ ملتا اور انہیں یہاں بھی شقاوت و سنگدلی سے سابقہ پیش آتا، جس کی توقع ظاہر ہے کہ وہ پاکستان سے نہ رکھتے تھے، تو اس سے تحریکِ آزادی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آزاد کشمیر کے باشندوں نے ان کے ساتھ بھائیوں سے بڑھ کر سلوک کیا اور مختلف کیمپوں میں کام کرنے والے کارکنوں نے، جن کا زیادہ تر تعلق جماعت اسلامی سے تھا اپنے ان مصیبت زدہ عزیزوں کی ایسے اخلاص اور دلسوزی کے ساتھ خدمت کی کہ اس کے نقش انشاءاللہ تا حینِ حیات اُن کے

دلوں پر قائم رہیں گے۔

جماعت اسلامی کی اس معاونت سے حکومت آزاد کشمیر کا بوجھ کافی حد تک ہلکا ہو گیا اور وہ مہاجرین کی خبر گیری سے بے فکر ہو کر اپنی زیادہ سے زیادہ توجہ ریاست کی دفاعی سرگرمیوں کی طرف مبذول کر سکی۔ اس حقیقت کا اعتراف ریاست کے معمولی کارکن سے لیکر اس کے صدر تک نے کیا ہے۔ جناب عبدالحمید خاں صاحب نے محترم صدیق الحسن صاحب گیلانی ناظم میڈیکل یونٹس کو ایک خط میں تحریر فرمایا ہے:

"میں جماعت اسلامی پاکستان کا طبی امداد کے لیے جو اس کی طرف سے مہاجرین جموں و کشمیر کو بہم پہنچائی گئی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کار خیر کے لیے کارکن حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔" آمین

اسی طرح حکومت آزاد کشمیر کے سیکرٹری صاحب نے یہ نوازش نامہ لکھا ہے:

"جماعت اسلامی نے اس بے پناہ مصیبت اور ابتلاء کے دور میں جبکہ بھارت کے ساتھ حق و باطل کی وہ جنگ برپا تھی جو مجاہدین کشمیر نے بہ توفیق الٰہی شروع کی ہے اور اب بھی جاری ہے، جس خلوص و ایثار اور بے پناہ ہمدردی اور دردمندی کا مظاہرہ کیا وہ اس عظیم منظم دینی جماعت سے متوقع تو تھا ہی لیکن میں صدر حکومت آزاد جموں و کشمیر کی طرف سے اس کام کے لیے جماعت اسلامی کا شکریہ تحریری طور پر ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ صدر حکومت آزاد جموں و کشمیر نے شکریہ کا خط براہِ راست امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نام بھی تحریر کیا ہے لیکن انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں وفد کی تکلیف کے لیے بھی جماعت کا شکریہ ادا کروں اور ساتھ ہی مزید اعانت و امداد کی اپیل بھی کروں۔ مہاجرین کی ضروریات جن کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، مندرجہ ذیل ہیں:۔

(دانشیار کی فہرست درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

"امید ہے کہ جماعتِ اسلامی پاکستان اپنی مساعی جمیلہ میں آئندہ بھی کمی نہیں کرے گی اور جب تک کشمیر غاصب بھارت کے چنگل سے آزاد ہو کر پاکستان کے ساتھ ملحق نہیں ہو جاتا، ہماری ہر ابتلا اور آزمائش میں ہمارے ساتھ حسبِ سابق تعاون کرے گی۔ خدا آپ کو اور ہم کو اس نازک موقع پر ملتِ اسلامیہ کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔ آمین"

جماعت اسلامی نے صرف مہاجرین کے معاملہ ہی میں حکومتِ آزاد کشمیر کا ہاتھ بٹانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جہاد کی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ نقد بھی اس کو ادا کیا۔

آزاد کشمیر کے مختلف کیمپوں میں کام کرتے ہوئے یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ان مظلوم مہاجرین کو زندگی کی ضروریات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اس مصیبت کے وقت تسلی اور تشفی کی بھی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے رفقاء جہاں جہاں کام کرتے رہے انہوں نے اس اہم مسئلہ کی طرف بھی پوری توجہ کی۔ ایک ایک ستم زدہ کے پاس جا کر اس کی ڈھارس بندھائی، اُس کے جذبۂ ایمانی کو بیدار کیا، اُسے اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی اور مہاجرین کے اندر اس یقین کو راسخ کیا کہ وہ ایک عظیم اور مقدس مقصد کی خاطر یہ سارے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور باری تعالیٰ اُن کی ان قربانیوں کو کبھی رائگاں نہیں جانے دیگا۔ ظلم و استبداد بالآخر مٹ کر رہے گا اور جو درندے اُن پر یلغار کر رہے ہیں وہ جلد ہی اپنی ان حرکات کا انجام دیکھیں گے۔

اگرچہ جماعت کے کارکن یہ کام پورے انہماک کے ساتھ سرانجام دے رہے تھے لیکن اس کے باوجود لوگوں کے اندر اس بات کی شدید خواہش تھی کہ جماعت اسلامی کے سربراہ خود آکر ان کی دردانگیز داستانیں سنیں اور ان کے زخموں پر خود اپنے ہاتھوں

سے مرہم رکھیں۔ چنانچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے شدید مصروفیات اور نازک ذمہ داریوں کے ہجوم میں گھرے ہونے کے باوجود اس اہم کام کے لیے وقت نکالا اور میاں طفیل محمد صاحب (امیر جماعت اسلامی مغربی پاکستان)، جناب نعیم صدیقی صاحب (سیکرٹری شعبۂ نشر و اشاعت)، جناب صدیق الحسن گیلانی، جناب اسعد گیلانی (امیر جماعت اسلامی حلقہ سرگودھا) اور جناب خلیل حامدی (ناظم دارالعروبہ) کی معیت میں آزاد کشمیر کا دورہ کیا اور مہاجرین کے پاس پہنچ کر نہ صرف اُن پر ڈھائے گئے مظالم کی داستانیں سُنیں اور اُن کی حالتِ زار کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے اور ان کی مشکلات کا جائزہ لے کر ان کی معاونت اور دستگیری کی متعدد تدابیر سوچیں بلکہ ان دکھی لوگوں کو خود تسلی دی اور انہیں اس امر کا یقین دلایا کہ آزاد کشمیر اور پاکستان کے مسلمان ہی نہیں، پوری دنیائے اسلام کے لوگ اُن کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور وہ انہیں ہر قسم کی امداد دینے پر آمادہ ہیں۔ ان پُرآشوب حالات میں مولانا اور جماعت اسلامی کے دوسرے سربراہوں کی زبان سے تسلی و تشفی کے الفاظ اُن مظلوموں کی ڈھارس بندھانے میں جس قدر مؤثر ثابت ہوئے اُس کا اندازہ کچھ وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں ان کیمپوں میں خود کام کرنے کا موقع ملا ہے۔

امیر جماعت اسلامی نے اس سفر سے واپسی پر راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس بلائی اور اخبارات کے ذریعے سے ملک کے لوگوں کو کشمیری بھائیوں کی حالتِ زار سے آگاہ کیا۔ اس کانفرنس میں مولانا نے نہ صرف قوم کے احساسات کو اچھی طرح بیدار کیا بلکہ انسانیت کے ضمیر کو بھی جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ پہلے سے بھی کہیں زیادہ جوش خروش اور مستعدی کے ساتھ مہاجرین کی امداد کے لیے آگے بڑھے۔ پھر ملک کے باہر دنیا کے مسلمانوں تک جب مولانا کی زبان سے اُن روح فرسا مظالم کی داستان پہنچی جو امن و سلامتی کے مدعیوں نے کشمیر کے نہتے مسلمانوں پر ڈھائے ہیں، تو ان کو پہلی مرتبہ کشمیر کی

حقیقی صورتِ حال اور ہندوستان کی حکومت کے اصلی خدوخال کا علم ہوا اور اس نے عالمِ اسلامی کی رائے عام پر بڑا اثر ڈالا۔ مختلف اسلامی ممالک کے با اثر لوگوں اور اخبارات نے ان موثوق اطلاعات کی بنا پر بھارت کی ریشہ دوانیوں کو طشت از بام کیا اور مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی مظلومیت اور اس ریاست کے معاملے میں پاکستان کے موقف کی صحت کی ہر جگہ وکالت کی۔

یہاں ہم اس امر کی وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ جماعت کے کارکنوں نے اگرچہ زیادہ تر توجہ آزاد کشمیر کے مہاجرین کی خدمت پر صرف کی لیکن ضرورت مندوں کی معاونت میں انہوں نے علاقائی حدبندیوں کو اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے جب کبھی یہ دیکھا کہ آزاد کشمیر کے کیمپوں سے سامان اور نقدی کا کچھ حصّہ بالکل جائز طور پر بچا کر پاکستان کے سرحدی علاقوں کے اجڑے ہوئے لوگوں کی ضروریات پُوری کرنے کے لیے صرف کیا جا سکتا ہے تو جس علاقے سے بھی ان کے پاس مانگ آئی انہوں نے فوراً وہاں امدادی سامان پہنچا دیا۔ اس سلسلہ میں امیر جماعت اسلامی سیالکوٹ کو مجموعی طور پر ساڑھے نو ٹرک سامان بھیجا گیا جس میں سے آٹھ ٹرک سیالکوٹ کے مہاجرین میں، ایک ٹرک بھوپال والا کے مہاجرین اور نصف ٹرک سوہاوہ ضلع جہلم کے مہاجرین میں تقسیم ہوا۔

جماعت اسلامی نے اگرچہ آزاد کشمیر سے اب اپنے کیمپوں کو اٹھا لیا ہے لیکن دوسرے علاقوں کے مہاجرین کی خدمت کے لیے اُس کی سرگرمیاں بدستور جاری ہیں، اُس کے شفاخانے اور خدمت کے دوسرے شعبے اب لاہور اور سیالکوٹ کے سرحدی علاقوں میں پُوری طرح سرگرمِ عمل ہیں۔ لاہور میں یہ شفاخانے جلو موڑ، منہالہ اور برکی میں قائم ہیں اور ان جنگی بے گھروں کو جو خانہ ویرانی کے بعد اب پھر اپنے اپنے علاقوں میں آباد ہونے کے لیے

کوشاں ہیں، مفت طبی امداد مہیا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جماعت اسلامی کے کارکن ان بستیوں کی منہدم شدہ مساجد کو ازسرِ نو تعمیر کر کے انہیں آباد کرنے اور دیہاتی آبادیوں کے لیے پانی کا خاطر خواہ انتظام کرنے میں اس علاقے کے لوگوں کی ہر طرح معاونت کر رہے ہیں۔

یہ گزارشات ختم کرنے سے پہلے ہم آزاد کشمیر کے مہاجرین کے متعلق دو باتوں کا تذکرہ نہایت ضروری سمجھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس ملک کے عوام اور اربابِ اختیار ان کی طرف خصوصی توجہ دیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مہاجرین کو اسلام سے بڑی گہری وابستگی ہے اور اسی وابستگی نے شدید مصائب سے دوچار ہونے کے باوجود اُن کے حوصلوں کو بلند رکھا ہے اور انہیں مضمحل نہیں ہونے دیا، لیکن اسلام کے ساتھ یہ سراسر جذباتی لگاؤ جس میں شعور کا معمولی عمل دخل بھی نہ ہو، انتہائی صبر آزما حالات میں ایک لمبی مدت تک قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ موجودہ نسل کے اندر اسلام سے محبت جوں کی توں قائم رہے گی تو اس بات کی قطعاً کوئی ضمانت نہیں کہ نئی نسل، جو نئے ماحول اور نئے حالات کی پیداوار ہو گی وہ بھی دینِ حق کے ساتھ اس وابستگی کا مظاہرہ کرے گی جس کا اظہار آج ہو رہا ہے۔ جذبات کے شعلے جتنی تیزی کے ساتھ بھڑکتے ہیں اُسی سرعت کے سرد بھی پڑ جاتے ہیں اور انہیں غیر شعوری قوتوں کے بل بوتے پر زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ کشمیر کے مہاجرین میں دینی تعلیم کا سخت فقدان ہے اور وہ دین کی بالکل ابتدائی تعلیمات تک سے ناواقف ہیں۔ نماز، روزے کی پابندی، قرآن حکیم کی تلاوت، اور موٹے موٹے فقہی مسائل سے واقفیت تو خیر بڑی باتیں ہیں، ان مہاجرین میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسلام کے اُس اساسی کلمہ تک سے ناواقف ہے جس کی بنیاد پر ایک شخص مسلمان ہوتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ان لوگوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے

واقفیت بہم پہنچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ کیونکہ اگر ان کے اندر اسلام کا صحیح شعور پیدا نہ ہوا تو وہ اپنے اُس غیر معمولی امتیاز کی صحیح قدر و قیمت پہچاننے سے قاصر رہیں گے جو انہیں غیر مسلموں پر حاصل ہے اور اگر اس طرف پوری توجہ نہ دی گئی تو اس بات کا ہر وقت خطرہ موجود ہے کہ اُن کی آنے والی نسلیں دینی نقطۂ نظر سے راکھ کا ڈھیر بن کر نہ رہ جائیں جسے مفادات کے تھپیڑے جس طرف چاہیں بڑی آسانی کے ساتھ اڑا کرلے جائیں۔

دوسرے ان لوگوں کا طویل مدت تک کیمپوں میں بے کار پڑے رہنا نہ اُن کے لیے مفید ہے اور نہ حکومت کے لیے۔ حکومت کو انہیں کسی مفید کام پر لگانے کی فکر کرنی چاہیے۔ اور ان کی صلاحیتوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے کوئی موثر قدم اٹھانا چاہیے۔ ہمارے کارکنوں کا اندازہ ہے کہ خود مہاجرین کے اندر بھی یہ احساس پوری شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ وہ خود چاہتے ہیں کہ انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی بیکار نہ رہنے دیا جائے۔ وہ اس بات کے بھی آرزومند ہیں کہ انہیں فوجی تربیت دی جائے تاکہ وہ بھارتی جارحیت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرسکیں۔ اگر اُن کی یہ آرزو بطریق احسن پوری ہو جائے تو اس سے نہ صرف ان لوگوں کے عزائم بلند رہیں گے بلکہ ان کے اندر محنت و مشقت کی عادت بھی بدستور قائم رہے گی اور وہ ملکی دفاع اور بحالی میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دینے کے قابل ہوں گے۔

اس ملک میں دین و شریعت کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا جارہا ہے۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی داستان نہیں، ہر شخص جو تھوڑی سی دینی بصیرت بھی رکھتا ہے۔ وہ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ یہاں سرکاری، خرچ پر متعدد ایسے ادارے چلائے جارہے ہیں جو دین کا حلیہ بگاڑنے میں پوری طرح مصروف ہیں۔ ان اداروں میں تجدد پسندوں کی فوج بھرتی کی گئی ہے جو ہر وقت اسلام کے نظام حیات پر یلغار

(باقی صہ ۶۹ پر)

(بقیہ اشارات)

کرتی رہتی ہے۔ اس فوج کے ایک مشہور کمانڈر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے پچھلے دنوں زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کی تجویز پیش کی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کا ایک حصّہ ترقیاتی سرگرمیوں کے بڑھتے ہوئے مصارف میں صرف کیا جاتے۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے اس تجویز کو ہر لحاظ سے غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"درحقیقت زکوٰۃ کوئی ٹیکس نہیں ہے بلکہ نماز روزے اور حج کی طرح ایک عبادت اور رکن اسلام ہے جس طرح نماز کی رکعتیں شارح کی مقرر کردہ ہیں اور کسی اجتہاد سے ان میں ردوبدل نہیں ہوسکتا اسی طرح زکوٰۃ کی جو شرح شارع علیہ السلام نے مقرر کر دی ہے اس میں بھی کمی بیشی کرنے کا کوئی مجاز نہیں ہے۔ آج مسلمان قلب وضمیر کے پورے اطمینان کے ساتھ ان عبادتوں کو جس وجہ سے ایک متعین شکل وصورت میں انجام دے رہے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ ان کو اس شارع نے مقرر کیا ہے جس کے برحق ہونے پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ اگر مختلف زمانوں کی بدلتی ہوئی حکومتیں ان میں ردوبدل کرنے لگیں تو مسلمان عبادات کے خلوص سے بھی محروم ہو جائیں گے، اور آخرکار ان عبادات کا بھی وہی حشر ہوگا جو حکومتوں کے عائد کردہ ٹیکسوں اور قواعد وضوابط کا ہوتا ہے کیونکہ لوگ نہ وقت کے حکمرانوں اور قانون ساز مجالس کے ممبروں پر ایمان لائے ہیں، نہ ان کے متعلق وہ خلوص کے ساتھ کبھی یقین رکھ سکتے ہیں کہ جو قاعدے اور ضابطے اور ٹیکس یہ لوگ مقرر کر رہے ہیں وہ سراسر برحق ہیں، نہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں کبھی پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر ہم ان کے احکام کی چوری چھپے بھی خلاف ورزی کریں گے تو ہماری عاقبت خراب ہو

جائے گی۔ مزید برآں مجوزہ کا یہ بیان بھی قطعی غلط ہے کہ زکوٰۃ مسلمانوں کی سماجی اور ثقافتی ترقیات اور دفاع سمیت ریاست کی دوسری ضروریات پر صرف کرنے کے لیے فرض کی گئی ہے۔ ہر شخص سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ پڑھ کر دیکھ سکتا ہے کہ قرآن حکیم کی رُو سے زکوٰۃ کے مصارف دراصل کیا ہیں۔ ان مصارف میں خواہ کتنی ہی کھینچ تان کی جائے، سماجی اور ثقافتی ترقیات اور ریاست کی عام ضروریات تک ان کا دائرہ وسیع نہیں ہو سکتا۔ قرآن جن مقاصد کے لیے زکوٰۃ فرض کرتا ہے ان کے لیے شریعت کی مقرر کردہ شرح ہر زمانے میں بالکل کافی ہے اور اگر کسی وقت کوئی غیر معمولی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو خیرات و صدقات کے لیے عام اپیل کر کے اس عارضی ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ زکوٰۃ کو ان مصارف کے لیے مخصوص رکھتے ہوئے عام اجتماعی ضروریات کے لیے مسلمان حکومتیں ہر زمانے میں ٹیکس عائد کرتی رہی ہیں اور آج بھی کر سکتی ہیں۔ کوئی شرعی حکم اس میں مانع نہیں ہے۔"

ڈاکٹر فضل الرحمٰن اس مدلل بیان کے جواب میں کوئی معقول بات تو نہ کہہ سکے لیکن انہوں نے متعین طور پر مولانا مودودی کی کسی تحریر کا حوالہ دیئے بغیر ان پر یہ الزام عائد کر دیا کہ وہ بھی اس سے پہلے زکوٰۃ کی شرح میں تبدیلی کا خیال ظاہر کر چکے ہیں۔ عقل یہ باور نہیں کرتی کہ ڈاکٹر صاحب اس مسئلہ کے بارے میں فی الواقع مولانا کے خیالات سے ناواقف ہوں گے۔ ۱۹۵۰ء میں حکومتِ پاکستان نے زکوٰۃ کے متعلق ایک مفصل سوالنامہ جاری کیا تھا جس کا سوال نمبر ۱۸ یہ تھا کہ کیا موجودہ حالات کے پیشِ نظر نصاب اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے؟ اس سوالنامے کا جو جواب محترم مولانا نے نومبر ۱۹۵۰ء کے ترجمان میں ارشاد فرمایا تھا وہ آج بھی ثبوت کے لیے موجود ہے اور ڈاکٹر صاحب کے الزام کی پُرزور

تردید کرتا ہے۔انہوں نے فرمایا:

"شارع کے مقرر کردہ حدود اور مقادیر میں ردوبدل کرنے کے ہم مجاز نہیں ہیں۔یہ دروازہ اگر کھل جائے تو پھر ایک زکوٰۃ ہی کے نصاب اور شرح پر زد نہیں پڑتی بلکہ نماز، روزہ، حج، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں ترمیم و تنسیخ شروع ہو جائے گی اور یہ سلسلہ کہیں جاکر ختم نہ ہو سکے گا۔نیز یہ کہ اس دروازے کے کھلنے سے وہ توازن و اعتدال ختم ہو جائے گا جو شارع نے فرد اور جماعت کے درمیان انصاف کے لیے قائم کر دیا ہے۔اس کے بعد پھر افراد اور جماعت کے درمیان کھینچ تان شروع ہو جائے گی۔افراد چاہیں گے کہ زکوٰۃ کے نصاب اور شرح میں تبدیلی ان کے مفاد کے مطابق ہو اور جماعت چاہے گی کہ اس کے مفاد کے مطابق انتخابات میں یہ چیز ایک مسئلہ بن جائے گی۔نصاب گھٹا کر اور شرح بڑھا کر اگر کوئی قانون بنا دیا گیا تو جن افراد کے مفاد پر زد پڑے گی وہ اُسے اُس خوش دلی کے ساتھ نہ دیں گے جو عبادت کی اصل روح ہے۔بلکہ ٹیکس کی طرح چٹی سمجھ کر دیں گے اور حیلہ سازی اور گریز دونوں ہی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔یہ بات جواب ہے کہ حکم خدا اور رسول سمجھ کر ہر شخص سر جھکا دیتا ہے اور عبادت کے جذبے سے بخوشی رقم نکالتا ہے اس صورت میں کبھی رہ ہی نہیں سکتی جبکہ پارلیمنٹ کی اکثریت اپنے حسبِ منشا کوئی نصاب اور کوئی شرح لوگوں پر مسلط کرتی رہے۔"

اس واضح تحریر کے ہوتے ہوئے مولانا محترم کے بارے میں یہ گمراہ کن خیال پھیلانا کہ وہ شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کو جائز سمجھتے ہیں یا کبھی جائز سمجھتے تھے، صریح ظلم و زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟